اسلام کی عقلی اساس کیوں اور کیوں کر؟ چند بنیادی اصول اور استدراکات

علی محمد رضوی

علامہ اقبال اپنے انگریزی خطبات کے آغاز میں پروفیسر وائیٹ ہیڈ کے حوالے سے مذہب کی تعریف فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

> یہ عام حقائق کا وہ نظام ہے جسے اگر خلوص سے مانا اور جیسا کہ اس کا حق ہے سمجھ لیا جائے تو اس سے سیرت اور کردار بدل جاتے ہیں (ترجمہ سید نذیر نیازی بنام تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ، ۴۲)۔

اس تعریف کو بنیاد بناتے ہوئے اقبال یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ مذہب کو سائنس سے بھی زیادہ عقلی اساس اور عقلی توجیہ کی ضرورت ہے۔ علامہ اس کی بنیادی وجہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم اپنے اعمال و افعال کی بنا کسی ایسے اصول پر رکھیں جو بجائے خود مشتبہ ہے (تشکیل جدید، ۴۲)۔

ظاہر ہے کہ یہاں علامہ کا دعویٰ واقعاتی نوعیت کا تو نہیں ہو سکتا کیونکہ انسانوں کی بہت بڑی تعداد ہر زمانے میں مشتبہ اصولوں پر اپنے عمل کی بنیاد رکھتی آئی ہے۔ قرآن مجید میں ہمیں کم از کم چوالیس مقامات پر ہر زمانے میں انسانوں کی اکثریت کے علم و عمل کے بارے میں عمومی رویے کی بابت مندرجہ ذیل قسم کے ارشادات ملتے ہیں:

ان میں سے اکثر (یا ان کی) اکثریت بے علم، بے عمل، بے عقل، جاہل، فاسق ہے وغیرہ (مثلاً ملاحظہ فرمائیں البقرۃ: ۱۲۰، آل عمران: ۱۱۰، المائدۃ: ۱۰۳، الأنعام: ۱۱۱، الأعراف:

۱۰۲، یوسف:۱۰۶، النحل:۸۳) وقس علی ھذا!

علامہ اقبال کے اس دعوے کی بہتر تشریح یہ ہوگی کہ مذہب حق یعنی اسلام کی بنیاد حق پر ہے اور مقصد محض سیرت و کردار کا بدلنا نہیں بلکہ سیرت و کردار کو راستی اور راست اساس پر قائم کرنا ہے۔

اس سیاق میں ہم یہ سوال اٹھا سکتے ہیں (اور حقیقت یہ ہے کہ خطبات کا مطالعہ یہ بتاتا ہے کہ یہی علامہ کا بھی اصل سوال ہے) کہ کیا مذہب حق یعنی اسلام کو عقلی اساس کی ضرورت ہے؟ اور اگر اس کی ضرورت ہے تو اس کی عملی صورت کیا ہوگی؟ اس مضمون کے باقی حصے میں اس سوال کا جواب دینے کی کوشش کریں گے۔

کیا اسلام کو عقلی اساس کی ضرورت ہے؟

سب سے پہلے یہ بات متعین کرنے کی ضرورت ہے کہ اسلام کی عقلی اساس کا کیا مطلب ہے؟ اسلام کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ حق ہے (عقائد و عمل کی سطح پر) اور حقیقت میں پیوستہ ہے اور اس پیوستگی کے عمومی اور خصوصی ثبوت اور دلائل فراہم کرنے کے عمل کو اسلام کی عقلی اساس فراہم کرنے کے مترادف سمجھا جاسکتا ہے۔ ان معنوں میں علامہ اقبال کے اس دعوے کو قبول کیا جاسکتا ہے کہ اسلام کو عقلی اساس کی ضرورت ہے (اور یہ علم کلام کا ایک بنیادی مقصد ہے)۔

اگر آپ اسلام کو حق اور ابدی نجات کا داعی سمجھتے ہیں تو بطور مسلمان آپ کو اسلام کی حقانیت پر دلیل تو چاہیے ہی ہوگی کیونکہ اگر آپ کا ایمان بصیرت پر اور دلیل پر قائم نہیں ہوگا تو آپ کس طرح یہ دعویٰ کرسکتے ہیں کہ اسلام حق ہے؟ اس سطح کی دلیل کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ آپ کی دلیل دوسرے لوگوں کو مطمئن کرسکے لیکن یہ لازم ہے کہ وہ خود آپ کو مطمئن کرسکے کیونکہ آپ کے پاس اگر ایسی دلیل نہیں ہے جو آپ کو اسلام کی حقانیت پہ قانع کرسکے تو آپ کس بنیاد پر کہیں گے کہ اسلام پر آپ کا ایمان بصیرت کی بنیاد پر ہے اور محض

تقلید آباواجداد اور ذاتی ذوق کی بنیاد پر نہیں ہے؟
اگر آپ کے پاس دلیل نہ ہو تو آپ کو (کم از کم) عقلی یقین تو حاصل نہیں ہو گا۔ اگر آپ کے پاس دلیل نہیں ہو گی تو آپ خود مطمئن نہیں ہوں گے اور اگر مطمئن نہیں ہوں گے تو پھر آپ اپنی زندگی کو ایک ایسی چیز کے مطابق کس طرح ڈھال سکتے ہیں جس پر آپ کا اپنا اطمینان ہی نہ ہو۔

الغرض دلیل اولاً تو آپ کو چاہیے تاکہ آپ خود اپنے آپ کو مطمئن کر سکیں۔ دوسروں کو مطمئن کرنا ضروری اس لیے ہوتا ہے کہ دوسرے آپ پر اعتراض کر سکتے ہیں اور اگر آپ کے پاس ان اعتراضات کا جواب نہ ہو تو آپ کا اپنا اطمینان بھی مضمحل ہو سکتا ہے تو دوسروں کے اعتراضات کا جواب صرف دوسروں کو چپ کرانے کے لیے ضروری نہیں ہوتا بلکہ آپ کے اپنے اطمینان کے لیے بھی ضروری ہو سکتا ہے۔ دلیل اپنے لیے بھی چاہیے اور دوسروں کے لیے بھی چاہیے؛ اپنے لیے اس لیے چاہیے کہ اس کے بغیر آپ کا ایمان بصیرت کی بنیاد پر استوار نہیں ہو سکتا ہے اور اگر آپ کے پاس دوسروں کے حقیقی و ممکنہ اعتراضات کا جواب نہ ہو تو وہ آپ کے اپنے یقین کو مضمحل کر سکتا ہے۔

اور تیسری وجہ یہ ہوتی ہے کہ اگر آپ کا مذہب ایسا ہو (جیسا کہ اسلام ہے) جو دعوتی مذہب ہو تو جب آپ لوگوں کو دعوت دیں گے تو یہ فطری بات ہے کہ وہ دلیل مانگیں گے۔ اس کی پہلی وجہ یہ ہے کہ ہر دعوت مضمراً و صریحاً چند دعاوی پر مشتمل ہوتی ہے اور دعویٰ اور جواب دعویٰ کا دلیل سے تعلق لاینفک ہے۔ دوسری وجہ اسلام کا اندرونی نظام ہے۔ اسلام کا دعویٰ ہے کہ وہ دلیل پر قائم ہے اور وہ اپنے مخالفین سے دلیل مانگتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ منطقی بات ہے کہ اگر آپ دوسروں سے دلیل مانگتے ہیں تو دوسروں کا یہ حق بھی مانتے ہیں کہ وہ آپ سے آپ کے دعاوی پر دلیل مانگیں۔ ان دونوں وجوہات کی بنا پر اسلام کی عقلی اساس فراہم کرنا اسلام کے اپنی اندرونی نظام کا تقاضا ہے۔ لیکن انفرادی شخصی دلیل کے برعکس دعوتی

دلیل مشترکہ دلیل ہو گی جو دونوں اطراف کے لیے قابلِ فہم ہو۔

آخری پہلو کا اوپر تذکرہ ضمنی طور پر آگیا ہے اور اب اس پر قدرے تفصیل سے گفتگو کی ضرورت ہے۔ اگر آپ کے مذہب کا اپنا اندرونی نظام ایسا ہو کہ وہ دلیل کی بنیاد پہ قائم ہو تو یہ آپ کے اپنے نظام کا اندرونی تقاضا ہو گا کہ اس کی عقلی اساس فراہم کی جائے۔ مثلاً اسلام جب عیسائیوں کے دعاوی کو ردّ کرتا ہے یا مشرکین کے دعاوی کو ردّ کرتا ہے، ان سے بزبان رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ کہلواتا ہے کہ:

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ[یوسف:۱۰۸]

تم ان سے صاف کہہ دو کہ "میرا رستہ تو یہ ہے، میں اللہ کی طرف بُلاتا ہوں، میں خود بھی پوری روشنی میں اپنا راستہ دیکھ رہا ہوں اور میرے ساتھی بھی اور اللہ پاک ہے اور شرک کرنے والوں سے میرا کوئی واسطہ نہیں۔"

امام سیوطی و محلی جلالین میں بصیرت کی تشریح واضح حجت یا دلیل سے کرتے ہیں یعنی رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے یہ کہلوایا جارہا ہے کہ میرا طریقہ اور میرے ماننے والوں کا طریقہ دلیل کی بنیاد پر قائم ہے۔ صاحب تفسیر سعدی نے بصیرت کی تشریح "علم ویقین بدون شک وریب" کی ہے۔

اسلام کی عقلی اساس کی فراہمی کی عملی صورت کیا ہو گی؟

لیکن دلیل فراہم کرنے کا مطلب لازماً فلسفیانہ دلیل فراہم کرنا نہیں ہوتا۔ ظاہر ہے کہ آپ کے مخاطب اگر فلسفی ہوں گے تو آپ فلسفیانہ دلائل فراہم کریں گے لیکن عموماً دلیل کی نوعیت کیا ہو گی یہ مخاطب و مخالف کی نوعیت و معاشرتی اور تاریخی تغیر کے ساتھ ساتھ بدلتا رہتا ہے۔ جن ادوار میں فلسفیانہ فکر غالب تھی، دلائل فلسفیانہ ہوتے تھے آج کل سائنس کا

زمانہ ہے تو دلائل سائنسی ہوتے ہیں وغیرہ۔

یہ صحیح ہے کہ قران کا طرزِ تخاطب انفس و آفاق کی نشانیوں کی طرف توجہ دلانے پر مشتمل ہے اور اسی کی بنیاد پر دلیل قائم کی جاتی ہے۔ اوپر سورہ یوسف کی جس آیت کا ذکر ہوا اس سے چند آیات قبل یہ آیت شریفہ ہے اور جس آیت شریفہ کا اوپر ذکر ہوا وہ اس آیت شریفہ کی طرف ہی اشارہ کرتی ہوئی نظر آتی ہے:

وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِى السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ [یوسف:۱۰۵]

زمین اور آسمانوں میں کتنی ہی نشانیاں ہیں جن پر سے یہ لوگ گزرتے ہیں اور ذرا توجّہ نہیں کرتے۔

لیکن اس ضمن میں اہم بات یہ ہے کہ دلیل چاہے انفسی ہو یا فلسفیانہ و سائنسی ہو اپنے معاشرتی و تاریخی سیاق و سباق ہی میں معنی حاصل کرتی ہے اور اپنی قوت بھی حاصل کرتی ہے۔ آپ کا تعلیمی نظام، عمومی معاشرتی طرزِ فکر اور غالب سوچ اس بات کو یقین بناتی ہے کہ آپ اس دلیل کو کس طرح سمجھیں گے اور وہ آپ پر اثر کرے گی یا نہیں کرے گی اور اگر اثر کرے گی تو کیا اثر کرے گی اور کس حد تک اثر کرے گی۔

اصل مسئلہ یہ ہے کہ دلیل کوئی بھی ہو اس میں دو خصوصیات ہونی چاہئیں: وہ خود آپ کو مطمئن کر سکے اور دوسروں کو بھی مطمئن کر سکے۔ لیکن کسی بھی دلیل کا اثر سیاق و سباق پر منحصر ہوتا ہے ان معنوں میں "ہدایت" کے بغیر کوئی دلیل کارآمد نہیں ہو سکتی (اس موضوع پر نیچے مزید تفصیلی گفتگو ہو گی)۔

دوسری اہم بات اس سلسلے میں یہ ہے کہ دلیل کا مطلب یا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ وہ کوئی حتمی دلیل ہو گی جس کے بعد دوسروں کی بولتی بند ہو جائے گی اور وہ آپ کی بات ماننے پر مجبور ہو جائیں گے۔ اس قسم کی دلیلیں شاذ و نادر ہی ہوتی ہیں اور زیادہ تر ایسے امور سے متعلق ہوتی

ہیں جو ایمانیات کے لیے مرکزی نہیں ہوتے۔ دلیل سے زیادہ سے زیادہ جو حاصل ہو سکتا ہے وہ ظن غالب ہی ہوتا ہے۔ یہ درست ہے کہ ریشنلسٹ فلسفیوں کے کم از کم ایک گروہ نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ حتمی دلیل اور حتمی توجیہ ممکن ہے لیکن جیسا کہ فلسفے کی اپنی تاریخ ہمیں بتاتی ہے اس دعوے کی حیثیت محض دعوے سے زیادہ نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا دارِ امتحان ہے اور اگر دنیا میں حتمی توجیہ ممکن ہوتی تو پھر دنیا کے دارِ امتحان ہونے کا کوئی مقصد نہ ہوتا۔ خدا خود اپنے آپ کو دکھا دیتا یا کم از کم ایسی دلیل دے دیتا ہے جس کے بعد شک کی کوئی گنجائش نہ رہتی۔

الغرض دلیل کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ دلیل کوئی حتمی دلیل ہو بلکہ دلیل کا مطلب یہ ہے کہ وہ دلیل ایسی ہو جس میں عمومی طور پہ لوگوں کو مطمئن کرنے کی استعداد ہو۔ ان معنوں میں عمومی نظام دلیل کی اسلام کو بھی ضرورت ہے اور ہر اس مذہب و فلسفہ کو بھی ضرورت ہے جس کا دعویٰ ہو کہ وہ حقیقت میں پیوست ہے۔

عقلی دلیل اور توجیہات کی جستجو اور اس کے مزالق

وائٹ ہیڈ کہتا ہے کہ مذہب کا ہر عہد عقلیت کا عہد ہے۔ وائٹ ہیڈ کا اصل لفظ فیتھ ہے جس کا ترجمہ ایمان زیادہ مناسب ہے۔ ان معنوں میں ہم اس کا ترجمہ یوں کر سکتے ہیں کہ ایمان کا ہر عہد عقلیت کا عہد ہے۔ بہر حال جو بھی ترجمہ ہو اصل سوال یہ ہے کہ وائٹ ہیڈ کا مقصد یہاں کیا ہے اور علامہ اقبال نے یہاں اس کا کس مقصد کے لیے حوالہ دیا ہے یہ ہماری بحث کا مرکز ہے۔

اگر مذہب سے مراد جیسا کہ ظاہر ہے عیسائیت ہے تو یہ دعویٰ درست ہے۔ لیکن اس میں اہم سوال یہ ہے کہ یہاں عقلیت سے مراد کیا ہے؟ کیونکہ عقلیت کے مختلف تصورات موجود رہے ہیں تو محض یہ دعویٰ کہ مذہب کا ہر عہد عقلیت کا عہد تھا بذات خود اتنا اہم نہیں ہے جتنا

یہ سوال اہم ہے کہ اس حوالے میں عقلیت سے کیا مراد ہے؟

مذہب کا عقل سے تعلق کئی سطح پر متصور کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً مذاہب کا ہر دور عقلیت کا دور ان معنوں میں رہا ہے کہ مذاہب اپنے دفاع کے لیے اور اپنی دعوت کی ترویج کے لیے عموماً عقلی دلائل پیش کرتے ہیں اور اس کے حصول کے لیے عقلی علوم کو فروغ دیتے ہیں۔ اس میں دوسرا اہم سبب یہ ہے کہ عیسائیت اور اسلام کا جن علاقوں میں فروغ ہوا ان علاقوں میں یونان اور روم اور کسی حد تک ایرانی اور ہندو تہذیبوں کے زیر اثر علوم عقلیہ پہلے سے موجود تھے اور پڑھے اور پڑھائے جاتے تھے اور ان علوم نے ان دونوں مذاہب کے لیے چیلنج بھی پیش کیے اور ان چیلنجز سے نبرد آزما ہونے کے لیے سامان بھی مہیا کیے۔ اور ان دونوں مذاہب نے اپنے اندرونی نظام کے تقاضوں کے زیر اثر ان علوم کے مقابلے میں مختلف رویے اختیار کیے اور ان علوم کو پڑھا اور اپنے اندرونی نظام کے مطابق ان کو از سر نو مرتب بھی کیا۔ اس سلسلے میں عیسائیوں کے ہاں فلسفہ اور ڈاگمیٹک تھیولوجی جیسے علوم کا فروغ ہوا جبکہ مسلمانوں کے یہاں فلسفہ و علم کلام اور علم مجادلہ کا فروغ ہوا۔

لیکن ہمارے نقطہ نظر سے یہاں اہم بات یہ ہے کہ مذہبی عقلی علوم بشمول کلام عموماً اس زمانے میں اور ایسے ماحول میں مرتب ہوئے جب مذاہب کو غلبہ حاصل تھا اور معاشرے مذہبی تھے اور یہ مذہبی علوم ایک خاص مذہبی عقلیت کی بنیاد پر مرتب اور فروغ پائے۔ لیکن اس ماحول میں یہ وہم پروان چڑھا کہ عقل عدم انحیازی کی بنیاد پر مذہبی دعاوی کا دفاع کیا جا سکتا ہے اور یہ کہ عقل عدم انحیازی کا وجود ممکن ہے۔ لیکن حقیقت میں اس سیاق میں جس عقلیت کی بات کی جاتی ہے وہ عدم انحیازی عقلیت نہیں بلکہ مذہبی عقلیت ہے اور علم کلام کے دلائل کی قوت کے لیے مذہبی تہذیبی غلبے کا سیاق لازمی ہے کیونکہ اسی سیاق میں ان دلائل کو قوت حاصل ہوتی ہے اور وہ معقول نظر آتے ہیں۔ اسی لیے جب مذہب کا تہذیبی غلبہ کمزور پڑتا ہے یا ختم ہو جاتا ہے تو مذہبی عقلیت کی عدم انحیازیت کا لبادہ اٹھتا جاتا ہے۔

دوسرے الفاظ میں مذہبی عقلیت کی فعالیت مذہبی تہذیب غلبے کے بغیر بے دست و پا ہوتی ہے۔ اسی طرح کسی بھی عقلیت کا غلبہ تہذیبی غلبے کا مرہون منت ہے اور تہذیبی غلبے سے مجرد عقلیت محض صوری عقلیت ہے جس کی بنیاد پر اختلافی امور کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا ہے۔

ظاہر ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ عقلی علوم کا کوئی فائدہ نہیں یا وہ کارآمد نہیں یا وہ کارگر نہیں۔ بلکہ اس بحث کا سبق یہ ہے کہ کسی بھی عقلیت کی فعالیت کے لیے خاص ماحول قائم کرنا ضروری ہے اور اس ماحول کے سیاق میں ہی اس ماحول سے منسلک عقلیت کارگر ہوتی ہے اور حقیقت میں اپنا رنگ لاتی ہے اور اپنے ثمرات دیتی ہے۔

اس تناظر میں "مذہب کا ہر عہد عقلیت کا عہد ہے" کو جدیدیت کے تناظر میں جو وائٹ ہیڈ اور علامہ اقبال کا تناظر ہے دیکھا جائے تو عقلیت ایک خاص قسم کی عقلیت ہے۔ وہ عقلیت مذہبی عقلیت نہیں بلکہ اولاً مذہب کو نیوٹرلائز کرتی ہے اور اس کے بعد اس کو مغلوب کرتی ہے۔

جیسا کہ یورپ کی مثال ہمیں بتاتی ہے اگر آپ کا معاشرہ مذہبی نہ رہے تو جو تصورِ عقل غالب آئے گا اور جو عقلیت غالب آئے گی وہ لامذہبی عقلیت ہوگی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عقل خود کوئی چیز نہیں بلکہ ایک عمومی قوت ہے جو معاشرتی ثقافتی اور تعلیمی سیاق و سباق سے معنی پاتی ہے۔ اس لیے آج یورپ میں جو تصورِ عقل ہے وہ اس سے بالکل مختلف ہے جو دو سو سال پہلے تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دو سو سال پہلے یورپ میں جو معاشرہ تھا وہ ایک مذہبی معاشرہ تھا اور جو عقلیت غالب تھی وہ ایک مذہبی عقلیت تھی۔ اسی لیے دو سو سال پہلے عیسائیت کی جس عقلی توجیہ کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا آج وہ عقلی توجیہ نہ صرف یہ کہ ممکن ہے بلکہ سے برعکس سوچ کو بدیہی طور پر دقیانوسی تصور کیا جاتا ہے۔ اس تصور کا پورا ادراک ہمیں اسلامی علم کلام میں بھی نہیں ملتا کیونکہ جس سیاق میں متکلمین گفتگو کر رہے ہوتے ہیں وہ ان کے

لیے بدیہی ہوتا ہے اور یہ ان کے خیال میں بھی نہیں آتا کہ ان کی بدیہات کسی اور کے لیے غیر بدیہی بھی ہو سکتی ہیں۔ امام غزالیؒ کی عظمت یہی ہے کہ آپ کے یہاں بداہت کی اس تنقید کا اور عقل کی بنیادی سیاقیت کا ادراک ملتا ہے۔

ہدایت کی ناگزیریت

عقل کی سیاقیت کا ادراک عقل پرستی کی اسلامی اور غیر اسلامی دونوں شکلوں کا ردّ ہے۔ جیسا کہ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

زاد دانش مند آثار قلم
زاد صوفی چیست؟ آثار قدم
ہم چو صیادے سوئے اشکار شد
گام آہو دید و بر آثار شد
چند گاہش گام آہو در خور است
بعد ازاں خود ناف آہو رہبر است

زاد دانش مند یہاں عقل ہے اور گام آہو بھی عقل اور اس کے متعلقات ہیں۔ عقل اور حواس اور اس کے متعلقات ہدایت فطرت اور ہدایت ارشاد کا حصہ ہیں اور اہم ہیں لیکن ہدایت قدری اور ہدایت توفیقی رب تعالیٰ کے کرم محض اور اس کی مشیت و ارادۂ کلی پر منحصر ہے۔

يُضِلُّ مَنْ يَّشَاءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاءُ

وہ جس سے چاہتا ہے گمراہی میں ڈالتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔

اور وہ ہدایت اس کو دیتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے لیکن حتمی ہدایت محض اس کے لطف و کرم پر منحصر ہے۔

لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَ هُمْ يُسْئَلُونَ

وہ اپنے کاموں کے لیے کسی کے آگے جواب دہ نہیں اور سب اس کے سامنے جواب دہ ہیں۔

عقل کی سیاقیت سے یہ سبق حاصل ہوتا ہے کہ عقل آپ کو دروازے تک لا سکتی ہے اور ہدایت تشریعی بھی آپ کو ہدایت کے راستے پر چلاتی ہے لیکن ہدایت قدری و توفیقی اور ہدایت کلی محض اللہ بزرگ و برتر کے کرم پر منحصر ہے۔ یہ ایک ایسا راز ہے جس کو عقل محض اور عقل پرست نہیں سمجھ سکتے اور عقل کی کسوٹی پر اس کو نہیں پرکھا جا سکتا کیونکہ عقل مخلوق ہے وہ خالق کی حکمت کو کس طرح مکمل طور پر سمجھ سکتی ہے۔

[فإن الله تعالى هو الذي يوفق العبد إلى الهداية، أو يزيغه إلى الضلال، فمن هداه فبفضله، ومن أضله فبعدله. ولكن لا يصح بالإطلاق ما ذكرت من أن الشخص مهما سعى للخير، يكون من الضالين. فقد أخبر الله تعالى أن من أسباب هدايته للعبد وتثبيته له، إقبال العبد على الهداية، واجتهاده في تحصيلها، وعمله بما علم، كما قال سبحانه: (وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدىً وَآتَاهُمْ تَقْوَاهُمْ) (محمد:١٧)، وقال: (وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ) (العنكبوت:٦٩)، وقال الله تعالى: وَلَوْ أَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ أَنِ اقْتُلُواْ أَنفُسَكُمْ أَوِ اخْرُجُواْ مِن دِيَارِكُم مَّا فَعَلُوهُ إِلاَّ قَلِيلٌ مِّنْهُمْ وَلَوْ أَنَّهُمْ فَعَلُواْ مَا يُوعَظُونَ بِهِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَأَشَدَّ تَثْبِيتًا * وَإِذاً لَّآتَيْنَاهُم مِّن لَّدُنَّا أَجْراً عَظِيمًا * وَلَهَدَيْنَاهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا {النساء:٦٦-٦٧-٦٨}

اس لیے یہ سمجھنا اہم ہے کہ ہدایت عقلی قناعت کا نام نہیں ہے بلکہ وہ ایک نور ہے جو اللہ جس کے دل میں چاہتا ہے ڈال دیتا ہے۔ اس کے اسباب ہیں جو اللہ نے خود بتائے ہیں لیکن ہدایت توفیقی کی حتمی توجیہ ناممکن ہے۔ اسی لیے امام رازی جیسا بڑے پائے کا فلسفی اور متکلم جب اس مقام پر آتا ہے تو عقل کے تمام وسائل کو پھینک دیتا ہے اور پکار اٹھتا ہے:

(العقول مضطربة والحق صعب ، والافكار مختلطة ، ولم يسلم من الغلط إلا الأقلون ، فوجب أن الهداية وإدراك الحق لا يكون إلا باعانة الله سبحانه و تعالى وهدايته وإرشاده ، ولصعوبة هذا الأمر قال الكليم عليه السلام بعد استماع الكلام القديم (رب اشرح لي صدري) وكل الخلق يطلبون الهداية ويحترزون عن الضلالة ، مع أن الأكثرين وقعوا في الضلالة وكل ذلك يدل على أن حصول الهداية والعلم والمعرفة ليس إلا من الله تعالى، التفسير الكبير سورة يونس تحت آية ٣٦)

انسانی عقول اضطراب کا شکار ہیں اور حق کا ادراک اور حق کی راہ پر گامزن ہونا اور اس پر ثابت رہنا ایک نہایت مشکل امر ہے۔ حق اور باطل افکار ایک دوسرے میں خلط ملط ہیں اور اس راہ میں غلطیوں سے شاذ ونادر انسان ہی بچے ہیں۔ پس یہ لازماً ثابت ہو گیا کہ ہدایت توفیق و ہدایت ارشاد اللہ تعالی کی مدد و اعانت کلی کے بغیر محض اپنے بل بوتے پر حاصل کرنا ناممکن ہے۔ اسی لیے کلیم اللہ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے کلام قدیم کو سننے کے بعد پکار اٹھے کہ اے پروردگار میرا سینہ کھول دے۔ تمام مخلوق اللہ کی ہدایت کی طالب

اور گمراہی سے بچنے کے لیے کوشاں ہے اس کے باوجود اکثریت
گمراہی کے گرداب میں پھنسی ہوئی ہے۔ یہ اس بات کی قطعی دلیل
ہے کہ حصولِ ہدایت، علم حقیقی اور معرفتِ حقیقی فقط اللہ تعالی کی
طرف سے ہے اور محض اس کی توفیق کی مرہون منت ہے اور اس
کے سوا کسی در سے دستیاب نہیں ہو سکتی۔ واللہ اعلم بالصواب

☆ ہم ان تمام احباب خاص طور پر جناب حسین احمد صاحب کے شکر گزار ہیں جنہوں نے اس مضمون کو بہتر بنانے کے لیے معاونت کی۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔

☆☆☆

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید اینجا

عزت بخاری